

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انذار و منذرین

محمد نامدار خان بوزئی

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَ
 بَيْنَكُمْ (آپ کہیے [پوچھیے]! کیا چیز ہے سب سے بڑی گواہی
 [کے لائق]؟ آپ کہہ دیجئے: ”اللہ! گواہ ہے میرے اور تمہارے
 درمیان!) وَاُوْحٰى اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لَا نُنْذِرُكُمْ بِهِ وَ مَنۢ
 بَلَغَ ۚ اور [حق یہ ہے] کہ وحی کیا گیا ہے یہ قرآن میری طرف
 تاکہ میں تمہیں ڈراؤں [آگاہ کر دوں] اس سے [یعنی اس میں بیان
 کیے گئے عذاب سے جو انسان کو اس کے غلط عقائد و اعمال کے سبب
 آخرتہ میں دیا جانے والا ہے] اور وہ (بھی ڈرائیگا) جو پہنچے گا (اس
 مقصد کے لیے مقررہ وقت و مقام معینہ پر) اَنْتُمْ لَشٰهَدُوْنَ اَنْ
 مَعَ اللّٰهِ الْهَيۡةُ الْاٰخِرٰى ۚ قُلْ لَا اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ
 اِنِّىۡ بَرِىۡءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ
 کے ساتھ دوسرے الہ بھی ہیں؟ آپ کہیے: ”میں ایسی گواہی نہیں
 دیتا! اللہ صرف وہ ایک ہی ہے۔ اور میں اس شرک سے بیزار ہوں

جو تم کر رہے ہو۔ [الانعام: ۱۹]

اکثر حضرات نے آیت کے خط کشیدہ حصہ کے ناقابل قبول تراجم پیش کیے ہیں۔ جس کی وجہ سے بڑی
 غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور مکلفین اصل منشاء سے دور ہو گئے۔ راقم کے خیال میں ان مترجمین نے نہ تو
 سیاق و سباق کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی صرف و نحو کے قوانین و مطالبات کا! کیونکہ عربی زبان کا ہر عالم جانتا
 ہے کہ مندرجہ بالا آیت کا آخری حصہ جملہ خبریہ ہے جس میں مستقبل سے متعلق خبر دی گئی ہے۔ اور یہ جملہ یا
 خبر صرف دو الفاظ پر مشتمل ہے۔ ”مَنْ“ اور ”بَلَغَ“۔

من ضمیر موصوفہ ہے جبکہ ”بَلَّغَ“ (وہ پہنچا) فعل ماضی و لازم ہے، اس طرح بَلَّغَ اس کی خبر ہے۔ عربی گرامر کے اصول کے اعتبار سے ”مَنْ“ [شرطیہ] کے بعد جب بھی کوئی فعل ماضی (past tense) آتا ہے تو وہ فعل مضارع یعنی (future tense) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور مستقبل سے متعلق خبر دیتا ہے۔ اس طرح یہاں لفظ ”بَلَّغَ“ کا صحیح ترجمہ... (وہ پہنچے گا) تسلیم کیا جائیگا!

علامہ عبدالرشید نعمانی ”لغات القرآن“ میں ”بَلَّغَ“ کے معنوں کی تفصیل میں لکھتے ہیں ”اس کے معنی انتہائی مقصد اور منتهی تک پہنچنے کے ہیں خواہ وہ مقام ہو یا وقت یا اور کوئی شے۔“ ان معنوں کی روشنی میں ایک قابل غور سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ: کیا ”انذار“ کے عمل کو اس کے آخری مقصد و منتهی تک پہنچانا ہر کسی تابع رسول ﷺ کے بس کی بات ہے؟ یقیناً ہمیں اس سوال کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ چنانچہ سورہ الانعام کی اسی آیت کی تشریح میں تفسیر ابن کثیر؛ صفحہ: ۵۱ پر لکھا ہے:

”ربیع بن انسؓ نے کہا ہے کہ تابع رسول پر لازم ہے کہ اس طرح اسلام کی دعوت دے جس طرح آل حضرتؑ دیتے تھے اور اس طرح ڈرائے جیسے حضرتؑ ڈراتے

تھے۔“ [تفسیر ابن کثیر؛ مطبوعہ: نور محمد کارخانہ کتب، آرام باغ۔ کراچی]

مذکورہ بالا لوازمات و اشراط کے پس منظر میں اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو راقم الحروف کے مندرجہ بالا استنباط کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جیسا نہ کسی غیر **ما مور من اللہ نذیر** نے ڈرایا اور نہ ہی ان ﷺ جیسی موثر و انقلابی دعوتہ کسی نے دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے **مقرر کردہ معیار** کی پابندی صرف ایک ما مور من اللہ ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ جو کہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اللہ اُسے اسی ”بصیرت“ (بمعنی مشاہدہ ذاتی) کی صلاحیت اور ہدایات سے سرفراز کرتا رہتا ہے!

اوپر بیان کی گئی حضرت ربیع بن انسؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری اہم خصوصیت جو اس کام کے غیر ناقص و **flawless** اور موثر ہونے کے لیے لازمی ہوتی ہے، وہ رسول ﷺ کی **اتباع نامہ** ہے۔ پس ”ڈرانے والے“ کا ”**تابع نام**“ رسول اللہ ﷺ ہونا

بھی لازمی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سورہ انعام کی مذکورہ آیت میں ”من“ سے اللہ کی مراد ایک **تابع نام مامور من اللہ** فرد ہے۔ چنانچہ ادیان کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ **انذار** کے مشن کو اللہ کے حکم سے وقت مقررہ و مقام معینہ پر کمال و منتہا تک پہنچانا صرف **اولو العزم مصطفین الاخيار مامورین من اللہ** کی صنف سے تعلق رکھنے والے **ائمہ دین** ہی سے ممکن ہوا ہے۔

عبدالرشید نعمانی صاحب ”من“ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”من“ تنہا غیر ناطق کے لیے نہیں استعمال کیا جاتا۔ جب کہ علامہ سید اعجاز حیدر ”معلم لغات القرآن“ کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں ”من“ عموماً عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ ”ما“ غیر عاقل کے لیے۔“ اسی جملے کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں: ”عربی قواعد کی رو سے انسان، جن اور فرشتوں کے علاوہ سب مخلوق غیر عاقل ہے۔“ یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ دینی اصطلاح میں ”ناطق“ صرف عاقل مخلوق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب کہ غیر عاقل و مجہول العقل لوگ قرآنی احکامات کی پابندی کے مکلف تسلیم نہیں کیے جاتے اور یہی وہ اصل سبب ہے کہ ان پر شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے!

علمائے اسلام جانتے ہیں قرآن ”صامت“ تسلیم ہوتا ہے یعنی غیر ناطق؛ جب کہ ناطق کے

معنی (A rational being who can present his arguments articulately) کے ہیں؛ اس لیے بھی ”من“ قرآن کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا! راقم کے خیال میں اس ضمن میں ان تمام مترجمین سے تسامح ہوا ہے جنہوں نے اس آیت میں ”من“ سے مراد ”قرآن“ یا غیر مامور من اللہ فرد یا افراد تعبیر کیا ہے!

لہذا مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر ”من بلغ“ کا ترجمہ..... ”جو پہنچے گا (اس مقصد

کے لیے مقررہ وقت و مقام معینہ پر)“.... کیا جائیگا۔ یہ بھی ایک بنیادی وجہ ہے کہ اس ”من“ میں مذکور مرادی شخصیت کو اولین علمائے اسلام و مومنین ”الموعود“ تسلیم کرتے تھے۔

اس موعودہ شخصیت کو مذکورہ آیت کریمہ میں سنتِ الہیہ کے تحت تعریفی انداز میں

دوسرا ڈرانے والا یعنی نذیر ثانی گردانا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد ’انذار‘ ہے اور اللہ اپنے اس امر یعنی انذار کا اعادہ اُس شخص سے کروایا گیا جو کہ باذن اللہ، اللہ کے مقرر کردہ وقت و متعین کردہ مقام پر پہنچ جائیگا۔ مزید یہ بات بھی اس آیت میں واضح کی گئی ہے کہ وحی کے ذریعہ قرآن نازل کیا گیا جس کے ہر ایک لفظ کا گواہ، اللہ ہے اور اسی نے اُن دونوں کو اس کام پر مامور کیا ہے!

جاننا چاہیے کہ ایک مامور من اللہ نذیر کسی مفروضہ (assumption) پر یا سنی سنائی بات کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ اور نہ ہی وہ اپنے ذاتی استنباط یا inference یا قیاس کی بنیاد پر دعوت دیتا ہے۔ بلکہ وہ یہ کام اللہ کے حکم سے کرتا ہے:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ فَ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (کہہ دو کہ میں اللہ کی طرف بلاتا

ہوں بصیرت [کی بنیاد] پر اور وہ بھی بلا یگا جو میرا تابع [تام] ہوگا اور اللہ

پاک ہے [یہ بھی جان لو کہ] میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) [سورہ یوسف: ۱۰۸]

پس ہر مشرک اور بے بصیرت تابع رسول ﷺ اس آیت کی تفسیر سے خارج الحجث ثابت ہے۔ کیونکہ بصیرت سے مراد ’مشاہدہ ذاتی‘ ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں! اسی طرح مشرک تابع رسول ﷺ بحیثیت داعی الی اللہ بھی ناقابل قبول طے پایا!

ان حقائق کے پیش نظر راقم الحروف کی پیش کردہ تاویل ذہنوں میں جو اہم ترین سوال پیدا کرتی ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ایک سے زیادہ جگہ اس بات کی تشریح فرمائی ہے۔ مثلاً سورہ القصص: ۴۶، السجدہ: ۳، یسین: ۶، الزخرف: ۴۴ اور النجم: ۵۶۔ فرمان عالی ہے:

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ط (یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی

طرف سے نازل کیا گیا ہے۔) لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا انذرا اَبَا وُ

هُم فَهَمَّ غَفْلُونَ (تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ

دادے نہیں ڈرائے گئے تھے، پس [اسی وجہ سے] یہ غافل ہیں۔

[سورۃ یٰسین: ۱۵ اور ۶]

لہذا ایسے لوگوں کے لیے آپ ﷺ پہلے **نذیر** ثابت ہوتے ہیں۔ سورہ السجدہ میں فرماتا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِنُنذِرَ قَوْمًا مَّا

أَتَاهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (کیا یہ کہتے ہیں کہ

اس نے گھڑ لیا ہے؟ [نہیں نہیں] بلکہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے

حق ہے تا کہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی

ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت پالیں۔ [السجدہ: ۳]

سورہ سباء کی آیت: ۲۴ میں فرماتا ہے:

وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يُدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلِكَ مِنْ

نَذِيرٍ (اور ان [مکہ والوں] کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں

یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا۔

مندرجہ بالا آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے بھی آپ ﷺ

پہلے نذیر تھے۔ اسی مضمون کی مختصر اور جامع وضاحت سورہ النجم کی آیت: ۵۶ میں فرمادی:

هَذِهِ نَذِيرٌ مِنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ (ترجمہ: **یہ [رسول] ڈرانے**

والا ہے پہلے ڈرانے والوں میں سے۔) [النجم: ۵۶]

واضح رہے کہ لفظ اولیٰ [پہلے] کا استعمال اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرے فرد

یا جماعت کے وجود کا تصور موجود نہ ہو! لہذا اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ نذیروں

[ڈرانے والوں] کی ایک سے زیادہ اقسام ہوتی ہیں:

(الف) پہلے ڈرانے والوں کی جماعت سے تعلق رکھنے والے نذیر جنہیں قرآن نے

نَذِيرٌ مِنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ تعبیر کیا ہے؛ جو کہ نئی شریعت لیکر آتے ہیں اور اس نئی شریعت میں

موجود نئے قوانین کے تحت انذار کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

(ب) وہ جن کی ذمہ داری ’انذار‘ کا اعادہ کرنا ہوتی ہے جنہیں ہم Reminder Warners کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایسے ’مامور من اللہ نذیر‘ ہوتے ہیں جو کہ ’پہلے ڈرانے والوں کی جماعت‘ کے بعد نزولِ عذاب سے قبل ’اتمامِ حجۃ‘ کے لیے بھیجے جاتے ہیں؛ جس کے بعد اللہ تعالیٰ کو عذاب نازل کرنے کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اور جن کو قرآن نے [سورہ الشعراء: ۲۰۸، ۲۰۹] میں منذرون ذکریٰ کہا ہے! [مفسر عبد اللہ یوسف علی (ج) ڈرانے والوں کی تیسری قسم رضا کاروں کی جماعت سے تعلق رکھنے والوں کی ہوتی ہے یعنی غیر معصوم و غیر مامورین من اللہ ہوتے ہیں اور تبلیغ و دعوت کے فرائض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے یہ مشن اپنالیتے ہیں۔ چنانچہ دیگر وجوہات کے علاوہ اس بنیاد پر بھی تفاسیر میں تعبیر کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں!

عموماً سورہ الانعام کی زیر بحث آیت کو مکمل طور پر بیان نہیں کیا جاتا حالانکہ بات کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آیت کو پورا بیان کیا جائے اور اگر مضمون اختتام کو نہ پہنچے تو یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اگلی اُن تمام آیت کو بھی بیان کیا جائے جو مضمون کو اس کے منطقی انجام تک پہنچاتی ہوں۔ تاکہ کسی قسم کی تشکی باقی نہ رہے۔ مضمون ملاحظہ فرمائیں:

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ ۗ (آپ کہے [پوچھیے]! کیا چیز ہے سب سے بڑی گواہی [کے لائق]؟ آپ کہہ دیجئے: ”اللہ! گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان!) وَأُوْحِيَ اِلَىٰ هٰذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّكَ مِنْ بَلَّغٍ ۗ وَ مِنْ حَقِّ يَه ۗ (حق یہ ہے) کہ وحی کیا گیا ہے یہ قرآن میری طرف تاکہ میں تمہیں ڈراؤں [آگاہ کر دوں] اس سے [یعنی اس میں بیان کیے گئے عذاب سے جو انسان کو اس کے غلط عقائد و اعمال کے سبب آخرتہ میں دیا جانے والا ہے] اور وہ (بھی ڈرائیگا) جو پہنچے گا (اس

مقصد کے لیے مقررہ وقت و مقام معینہ پر) اِنْسَانًا لَمْ يَشْهَدُ وَاَنْ مَعَ اللّٰهِ
 الْهَيَّةَ الْاُخْرٰى ؕ قُلْ لَا اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهُ وَاَحَدٌ وَاِنِّىۤ اَبْرِىۤ مِمَّا
 تُشْرِكُوْنَ (کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے الہ
 بھی ہیں؟ آپ کہیے: ”میں ایسی گواہی نہیں دیتا! اللہ صرف وہ ایک ہی ہے
 اور میں اس شرک سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔ [آیت: ۱۹]

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَ اَبْنَاءَهُمْ الَّذِينَ خَسِرُواْ اَنْفُسَهُمْ
 فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو یوں پہچانتے
 ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو! مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے؛
 ایمان نہیں لائیں گے!) [آیت: ۲۰ اور تم رکوع]

مندرجہ بالا آیت پر رکوع ختم ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ زیر بحث مضمون اختتام کو پہنچ چکا! رکوع کی اس
 آخری آیت میں ”الکتاب“ کے الف، لام کو قسم معروفہ مانا جائے تو اس سے مراد ایک خاص یا
 معروفہ کتاب ہوتی ہے جیسے: توراہ، زبور، انجیل یا قرآن مجید وغیرہ، وغیرہ اور اگر الف، لام کو
 استغراقی تسلیم کیا جائے تو معنوی طور پر ساری آسمانی کتابیں مراد ہوتیں ہیں! پس علیٰ ہذا القیاس
 مفاہیم بھی بلحاظ زمانہ انہی بنیادوں پر، ہر دو پر متعین ہوتے نظر آتے ہیں! (واللہ اعلم)

مصادر و منابع:

- ۱۔ لغات القرآن عبد الرشید نعمانی صاحب، دارالاشاعت، اردو بازار؛ کراچی
- ۲۔ معلم لغات القرآن سید اعجاز حیدر صاحب، دارالتذکیر، رٹمن مارکیٹ، اردو بازار؛ لاہور
- ۳۔ تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) محمد مبین صاحب۔ نور محمد کارخانہ کتب، آرام باغ؛ کراچی
- ۴۔ The Holy Quran عبد اللہ یوسف علی، امانہ کارپوریشن، میری لینڈ، یو۔ ایس۔ اے

